© rasailojaraid.com

گنجائش نظر نہیں آتی۔ جو طاقت دوسروں کو اپنے مقاصد وعزائم کے لئے اس انداز میں استعمال کرسکتی ہے کہ یہ اس کا آلۂ کاربن کر لڑائیاں مول لیں اور جانیں دیں، اس کے لئے دنیا میں پھر اور کون سی تدبیری بات ہے جو مشکل یا اُس سے بعید رہ جاتی ہو؟ صاف الفاظ میں: آپ کو یہ بھی بعید یا مشکل نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ خود آپ کو بھی استعمال کر سکتے ہیں! نہیں، بلکہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ 11 ستمبر 2001ء کے بارے ہم تقریباً سب ہی یک زبان ہیں کہ یہ واقعہ میں صیہونیوں کی کاروائی تھی جسے مسلمانوں کے سر تھوپ دیا گیا۔ مگر یہ کیونکر ہوا کہ اُن کا کیا ہمارے سر لگ گیا؟ یہ ایسے، یہ جیسے وہ دنیا پر "By proxy" حکومت کر رہے ہیں' ویسے ہی یہ 11 ستمبر والے جہاز بھی انھوں نے ''بائی پراکسی'' اُڑائے تھے۔ اور ان کے یہ ''پراکسی'' ہمارے نوجوان تھے۔ خود سعودی عرب کو، جہاں کے شہری یہ نوجوان بتائے گئے تھے، بالآخر 15 کے بارے میں تسلیم کر لینا پڑا ہے کہ اسی کے تھے۔ اور اس کے جو نتائج سعودی عرب کو بھگتنا پڑ رہے ہیں وہ تھوڑے بہت ہمارے سامنے بھی اخبارات کے ذریعہ آ رہے ہیں۔ اور یہ جو خود سعودی عرب میں خودکش دھماکوں کا غارت گرانہ سلسلہ ادھر چلا ہے، یقین کرنا چاہئے کہ یہ بھی اُسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ تاکہ نتائج کے سلسلہ کو مطلوبہ انجام تک پہنچایا جا سکے۔ امریکہ کے خلاف بجا طور پر کھولتے ہوئے جذبات نے جس طرح عرب نوجوانوں کو دشمن کی سازش کے جال میں پہنچایا، اِن جذبات کو عراق کے المیہ نے اور بھی جس عالم میں پہنچا دیا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی چیز تو نہیں ہے۔ خود سعودی حکومت کی طرف جن برہم جذبات کا رُخ بھی کوئی راز نہیں ہے۔ پس سازشوں کی ماہر قوم کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں رہ جاتا کہ ''دہشت گردی'' کی کاروائیاں وہ سعودی عرب کی سرزمین پر بھی خود سعودیوں ہی کے ہاتھوں کرائے۔

پر افسوس کہ ہم، خاص کر ہمارے نوجوان، اپنے غم وغصہ میں اب تک بھی نہیں سمجھ پا رہے کہ اس وقت غصہ کے حکم پر عمل کرنا دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنا ہے۔ بلکہ ہمارا غصہ اور اضطراب اس وقت دشمن کا ہتھیار بن گیا ہے۔ ہمارا غصہ اور ہمارا بیحد قیمتی جذبۂ جان سُپاری دشمن کے کام آ رہا ہے۔ وہ اس کے بہانہ سے ہمارے ہر ملک میں من مانی مداخلت کا عزم حاصل کر کے اسے کھلی غلامی کا شکار، اپنی طاقت کے بل پر، بنا ڈالتا ہے۔ اپنی حکومتوں سے شکایات کتنی ہی بجا اور درست ہو (اور عراق کے خلاف 1991ء والی وہ امریکی کاروائی جس میں سعودی حکومت کی ہر حد سے گزری معاونت اور اس کے باقیات سے وہاں کے اہلِ دین کی شکایت اور اشتعال کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ یہ راقم السطور اس معاونت کے اُن اوّلین لمحات سے اس کا ناقد ہوا تھا جب شاید ہی کوئی دوسری تنقیدی آواز سعودیہ میں یا اُس سے باہر بلند ہوئی ہو۔ اور یہ تنقید روزنامہ جنگ لندن کے ریکارڈ پر تائیدی بیان کے پہلو بہ پہلو موجود ہے جو بڑے بڑے اشتہارات کی شکل میں چھپ رہے تھے)۔ لیکن یہ وقت کہ جب سعودیہ کے وجود کو اُنہی طاقتوں نے نشانہ پر رکھا ہوا ہے جن کے خلاف ہمارے سینوں میں طوفان موجزن ہے۔ یہ وقت سعودیہ کے ساتھ کھڑے ہونے کا ہے نہ کہ اس کے خلاف کارروائی کے لئے اس کو ایک اچھا موقع سمجھنے کا۔

11 ستمبر (2001ء) کے خونیں ڈرامہ کا نشانہ عام طور پر افغانستان اور پھر عراق کو سمجھا گیا ہے۔ مگر اس ڈرامہ کا خود اپنا کوئی پہلو اگر ایسا ہے جو کسی نشانہ کی نشاندہی کرتا ہو تو وہ صرف ایک پہلو ہے جو بالکل صاف سعودی عرب کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اور یہ ہے اس ڈرامہ کے مبینہ 19 ہوابازوں میں سے کم از کم پندرہ کا سعودی ہونا، جسے مان لینے پر سعودی حکومت بالآخر مجبور ہوئی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کیا یہ محض اتفاق ہو سکتا ہے؟ کیا امریکہ میں بسے ہوئے عربوں میں صرف سعودیوں ہی کو ہوابازی کا شوق لاحق ہوا تھا، دوسرے عرب نژاد امریکی باشندوں کو اس شوق کی بالکل ہوا نہیں لگی، جو اس ڈرامہ کے ذمہ دار شاطروں کو سعودیوں ہی پر انحصار کرنا پڑا؟ اس نکتہ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توجہ دیں تو صاف نظر آجاتا ہے کہ جس منصوبہ کے ماتحت 11 ستمبر کا ہولناک ڈرامہ کھیلا گیا اُس کے نشانوں میں سعودی عرب سب سے اوّل طے شدہ نشانہ تھا۔ اور سعودی امریکی تعلقات کی رو سے چونکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ جیسا افغانستان یا عراق کے ساتھ بلا کسی ثبوت کے کرڈالا گیا نہیں کیا جاسکتا تھا، بلکہ کوئی معقول جواز پیدا کرنا لازم تھا کہ طوطا چشمی کی جاسکے۔ یہ ضرورت تھی جس کے لئے عربوں میں سے چھانٹ کر سعودی ہوا باز ہی آلۂ کار بنائے گئے۔ اور پھر ادھر واقعہ ہوا اور اُدھر دوسرے ہی دن سے سعودیہ کے ساتھ امریکہ کا جو رویہ بدلا ہے وہ ہم دیکھ رہے ہیں، ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔

کوئی اور سمجھا ہو نہ سمجھا ہو سعودیہ نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ ''شاطرانِ دہر'' نے اسے نشانے پر لگوادیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ امریکی عفریت کے مقابلہ میں اپنے بچاؤ کی کوئی طاقت اس کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے جنرل پرویز مشرف کی طرح سراپا ''حاضر جناب'' بن کر اگرچہ نہیں، پھر بھی بڑی حد تک ''تعمیلِ ارشاد'' کردینے کا رویہ سعودی حکمرانوں نے اپنایا ہوا ہے، تاکہ جان اَونے پَونے ہی پہ چھوٹ جائے اور بات جہاں تک جاسکتی ہے اس کی نوبت نہ آئے۔ بے شک یہ صورتِ حال سعودیوں ہی کے لئے نہیں' ہر خوددار مسلمان کی خودی کو چیلنج ہے۔ مگر سوائے اس کے کہ ''تعمیلِ ارشاد'' کے حدود اور سائز پر گفتگو کی جاسکے کیا کوئی دوسرا عملی راستہ بھی ہے جو ہم میں سے کوئی سعودی ذمہ داروں کو بتا سکے؟ کاش کہ ناراض سعودی عناصر اس بات کو سمجھیں کہ یہ وقت حکومت کے رویہ کو چیلنج کرنے کا نہیں، بلکہ خارجی دباؤ کے مقابلہ میں معاونت کی پیش کش کا ہے۔ یہی وہ واحد راستہ ہے کہ امریکہ کے سامنے حکومت کا جو جھکاؤ ہم کو گراں ہے وہ کچھ کم کرایا جاسکے۔ دوسری صورت میں بظاہر حالات ہم اسکے سوا کچھ نہیں کرسکیں گے کہ امریکہ کو اِس انداز سے اندر آجانے کا بہانہ فراہم کردیں جس انداز کی طلب میں نشانہ باندھنے والوں نے سعودیہ کا نشانہ باندھا تھا۔ اور پھر (اللہ نہ کرے) ہم اپنے آپ کو موجودہ سے بھی بدصورت حال میں پائیں۔ اُمُّ المؤمنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایسے ہی آزمائشی موقع کا ارشاد ہے' جس پر غور کیا جانا چاہیئے' جو کہ حضرت معاویہؓ کے دور میں قتلِ حجرؓ کے موقع پر آپ سے منقول ہوا ہے فرمایا: **لولا انا لم نغیّر شیئاًالاصارت بنا الی الا مور الیٰ ما ھو اشد منہ ،لغیرنا قتل حجر۔** (اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے جب بھی معاملات کے کسی غلط رخ کو طاقت سے بدلنا چاہا تو نتیجہ اس سے بدتر ہی نکلا تو ضرور ہم حجر کے قتل پر کچھ کرتے!) یہ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا تھا جو اس سانحہ پر آپ سے کسی اقدام کے متوقع ہوئے تھے۔

سعودی عرب کے سلسلہ میں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنے کی ہے کہ یہ اس عرب خطہ کی واحد مملکت ہے جس کی اور باتوں سے قطعِ نظر اس کا سیاسی استحکام خطہ میں ایک مثال کا درجہ رکھتا ہے۔ مزید برآں، حرمین شریفین کے حوالہ سے عظمت و تقدس کا ایک یگانہ مقام اسے الگ حاصل ہے۔ اس لئے یہ مملکت اگر (خدانخواستہ) اندرونی اور بیرونی دوطرفہ دباؤ کے نتیجہ میں عدم استحکام کا شکار اور خلفشار کی نذر ہوتی ہے تو اس کے اس سے کہیں گہرے نفسیاتی اثرات خطہ پر پڑیں گے جو اثرات ہم عراق کی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجہ میں دیکھ رہے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ اسرائیل جس کی خاطر یہ سارا ہنگامہ بپا ہے اس کا ایک خواب ''عظیم تر اسرائیل'' کا ہے جس کے نقشہ میں مدینہ منوّرہ بھی آتا ہے۔ اس خواب کو اس ہنگامہ میں پورا کرلینے کا موقع اسرائیل کو ملے نہ ملے، خطہ کے اس نفسیاتی اثر کی بدولت اپنے موجودہ حدود میں اُسے وہ من مانیت آسان تر بہرحال ہوجائے گی جس نے علاقے کی زندگی پہلے ہی کچھ کم عذاب نہیں بنا رکھی ہے۔

الغرض' اسلامی دنیا اور بالخصوص عربی دنیا کو مخالف حالات کے جس چیلنج کا سامنا ہے وہ ''کھاؤں کہاں کی چوٹ'' والا ایک پیچیدہ معاملہ ہے۔ اسکا کوئی ایک پہلو سامنے رکھ کر ردِّعمل کو حرکت دینا قرینِ عقل و مصلحت نہیں ہوسکتا۔ مغربی دنیا جس سے ہم ایسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاملات میں عرصہ سے زک اٹھاتے آرہے ہیں، خیال ہوتا تھا کہ وہاں اب جولوگ ہم میں آبسے ہیں انھوں نے اس دنیا کے طور طریقوں سے ان معاملات میں ضرور کچھ سبق سیکھ لیا ہوگا۔ مگر اِن آزمائش کے دنوں میں بڑی مایوسی ہو رہی ہے۔ سعودی عرب جہاں کے اندرونی ردعمل کا ابھی حوالہ آیا، وہاں کے لوگوں کی بھی ایک تعداد دوسرے عرب ملک والوں کی طرح، یورپ میں آبسی ہے۔ ان میں ایک گروہ ہے جو سعودیہ میں نظام کی تبدیلی چاہنے والوں سے تعلق رکھتا ہے اور لندن اس کا مرکز ہے۔ سعودیہ میں رہ کر یہ اس مقصد کے لئے آزادانہ جدوجہد نہیں کی جاسکتی ہے۔ یورپ میں کہیں ٹھکانہ بنا کر آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ یہاں ایک تو جمہوریت کے ناتے اظہارِ خیال کی ایسی آزادی ہے کہ اللہ کی پناہ۔ دوسرے، بہت دور کی سوچنے والے یہ لوگ ہیں۔ ہر ملک کے ایسے گروہوں کو بڑے کام کی چیز سمجھتے اور ''داشتہ آید بکار'' کا معاملہ اس کے ساتھ کرتے ہیں۔ کسی ملک کی حکومت شکایت کرتی ہے کہ آپ کے زیرِ سایہ بیٹھ کر ہمارے خلاف پروپیگنڈہ ہو رہا ہے تو، چاہے وہ دوست ملک ہی کیوں نہ ہو، بڑی آسانی سے عذر کر دیتے ہیں کہ صاحب ہم تو اپنے خلاف بولنے پر بھی پابندی نہیں لگا سکتے۔ بہر حال، جن دنوں ریاض میں خود کش حملوں کی وارداتیں ہوئیں انھیں دنوں میں ایک دن خبر پڑھی کہ اس گروہ کی کال پر ریاض میں ایک حکومت مخالف مظاہرہ اتنے سولوگوں نے کیا۔ انّا لِللّٰہ و انا الیہِ راجعون۔ جن سے توقع کی جانی چاہئے تھی کہ جو پر جوش لوگ اس وقت حکومت کے لئے اندرونِ ملک مسئلہ بنا رہے ہیں یہ ان کو سمجھنا چاہیں گے کہ یہ وقت اس کام کا نہیں ہے، وہ تو خود بے چین ہیں کہ کسی نہ کسی طور پر اس میں خود بھی شرکت کرلیں۔ مغرب جو ہم پر حاوی ہے اس میں آپ کبھی نہ دیکھیں گے کہ جب ملک کسی بیرونی طاقت کی طرف سے دباؤ میں ہو تو حزب مخالف اپنا حساب چکانے نکلے۔

مگر اپنے اس افسوس پر بعد میں خیال آیا کہ ان کو کیا کہنا، یہ تو پھر بھی وہ لوگ ہیں جنھوں نے باہر سے آکر یہاں ڈیرہ لگایا لیا ہے۔ اپنا حال تو یہاں رشدی کی خباثت کے بعد سے، یہ ہے کہ وہ جو یہیں پیدا ہو رہے ہے، پل بڑھ رہے اور یہیں کی تعلیم گاہوں میں تعلیم پا رہے یا پا چکے ہیں، ان میں بھی کھیپ در کھیپ ہمارے ایسے نوجوان دستیاب ہیں کہ کفر کے خلاف جوش اور جذبہ کی بانسری بجا کر آپ انھیں کسی بھی مہم پر اسی ملک میں لگا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں ایک جماعت حزب التحریر کے نام سے قائم ہے، جو خلافتِ اسلامیہ قائم کرنے کی علمبردار ہے۔ ذرا آپ غور کیجئے یہ سرزمین برطانیہ جہاں سے یہ صرف خلافت کی آخری یادگار (ترکی) نشانہ بنی، بلکہ سارے عالمِ اسلام کی ہر وقت نگرانی بھی ہے کہ کہیں کسی اور اسلامی ملک کے افق سے تو یہ سورج پھر طلوع ہونے نہیں جارہا ہے! اور کہیں بھی ان کو شبہ ہوتا ہے تو فوراً اپنے اثرات اس امکان کی جڑ کاٹنے کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے باوجود یہاں پر یہ نعرۂ خلافت بلند کرنے والی جماعت مختلف مسلمان ملکوں سے تعلق رکھنے والے یہیں کے پیدا نوجوانوں میں سے سینکڑوں کو اپنے نعرہ پر رقصاں کئے ہوئے ہے۔ اور ان کالجوں یونیورسٹیوں کے نوجوانوں کی سمجھ اتنی موٹی بات کی طرف بھی نہیں جاتی کہ جو نعرہ مغرب والوں کو ہم مسلمانوں کے اپنے ملکوں میں خطرناک دکھائی دیتا ہے اُسے یہ اپنے ملک میں گوارا ہی نہیں کر رہے، بلکہ جیسے کہ ''پرورش'' کر رہے ہوں۔ اس جماعت کی طرف سے ہر طرح کا لٹریچر برسہا برس چھپتا اور آزدانہ تقسیم ہوتا ہے، جلسے اور جلوس ہوتے ہیں۔ اور یہ سب محض خلافت اور اسلام کے حق میں ہی نہیں ہوتا، مغرب اور اس کی تہذیب و تاریخ اور افکار و نظریات سے اظہارِ نفرت کو بھی اس میں بھرپور حصہ ملتا ہے۔ پر کبھی جو کوئی روک ٹوک یہاں ہوتی ہو۔ اسی جماعت سے نکلا ہوا ایک گروہ ''المہاجرون'' کہلاتا ہے۔ وہ اپنے لیڈر کے فائر برانڈ (شعلہ بار) ہونے کی وجہ سے حزب سے بھی چار قدم آگے ہے۔ اور ان سب کو پیچھے چھوڑنے والے مسجد فنسبری پارک لندن کے خود ساختہ امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوحمزہ مصری تو ساری دنیا میں معروف ہی ہو چکے ہیں جو ''انصار الشریعہ'' نام کی جماعت چلاتے تھے۔ وہ بھی، جب تک کہ القاعدہ کے امریکی ہوّے نے ایک نئی پالیسی برطانیہ میں جاری نہیں کرادی، اپنی عام ''نصرتِ شریعت'' ہی نہیں، خاص نصرتِ جہاد والی آتشیں انگریزی تقریروں اور ٹی وی بیانوں اور مباحثوں کے باوجود ہر روک ٹوک سے محفوظ ہی نہیں تھے، برطانوی سوشل سیکیورٹی سسٹم کے ماتحت دوسو پاؤنڈ ہفتہ کا وظیفہ بھی سرکاری خزانہ سے پا رہے تھے۔ جواب اس دنیا پر بند ہوا ہے کہ ان کو عطا کردہ برٹش نیشنلٹی سلب کرلی گئی ہے۔ اور یہ وظیفہ کی عنایات کچھ جناب ابوحمزہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھیں، ان جماعتوں کا جو شخص بھی سیکیورٹی سسٹم کے ماتحت قانوناً حقدار بنتا ہو وہ بالکل دوسرے حقدار شہریوں کی طرح اس طرح کے وظایف اور تمام لازمی شہری سہولتوں سے فیض یاب تھا اور ہے۔

یہ تینوں جماعتیں بھی (بلکہ گروپ کہئے) جیسا کہ ان کے ناموں سے ظاہر ہو رہا ہے ہیں تو، سعودی گروپ کی طرح، اپنی اصل سے عربی ہیں۔ مگر ان تینوں نے اپنے مبینہ مقصد کو کسی ملک کے ساتھ خاص نہیں کیا ہوا ہے اس لئے اس کے حلقہ میں کم وبیش ہر اسلامی ملک کی نمائندگی ہے۔ حزب التحریر اور المہاجرون کے سرگرم کرکنوں میں تو خاص طور سے پاکستانی اور بنگلہ دیشی نوجوان زیادہ نظر آیا کرتے ہیں۔ (وجہ شاید یہ ہے کہ رشدی خباثت کے خلاف احتجاج دراصل برصغیر ہند، پاکستان اور بنگلہ دیش والوں ہی کے جذبات سے عبارت تھا۔) ان نوجوانوں سے اگر یہ باتیں کہئے جو آپ کے لئے معمہ ہیں تو وہ اس پر غور کرنے کو تیار نہیں ہوں گے کہ وہ سادگی میں کسی کھیل کا شکار تو نہیں ہو رہے ہیں، وہ کہیں گے کہ یہاں کا قانون ہمیں ان سب باتوں کی آزادی دیتا ہے جو ہم کر رہے ہیں اور یہاں کی گورنمنٹ کی یہی مجبوری ہے جو وہ کوئی روک ٹوک نہیں کرسکتی۔ مگر وہ یہ نہیں سوچیں گے کہ یہ قوانین نہ ان کے اپنے بنائے ہوئے ہیں نہ ان کی بنا ان کے بس میں ہے۔ حتی کہ اس ملک کی جو شہنشاہیت ہے۔ اور جس کے نام سے ہی تمام قانون سازی ہوتی اور سارا کاروبار حکومت چلتا ہے، خود اس کا یہ حال بقول حکیمِ مشرق ہے کہ

شاہ ہے برطانوی مندر میں اک مٹی کا بت
اُس کو جب چاہیں کریں اس کے پجاری پاش پاش

یہ دراصل وہی ذہنیّت ہے، جسے بیمار کہیں یا بے شعور، جسکے ہم مسلمان ہندوستان میں اسیر ہیں۔ ہندوستان کا دستور جس دستور ساز اسمبلی نے بنایا اس میں مسلمان آٹے۔ میں نمک کا درجہ رکھتے تھے۔ پھر ہندو مسلم بنیاد پر ملک کی تقسیم کے نتیجہ میں کم ہی ان میں وہ رہ گئے تھے جو بقیہ ہندوستان پر برابر کا حق جتانے کی ہمت اس ماحول میں دکھا سکتے ہوں، ایسے دستور کا کیرکٹر سیکیولر رکھا جانا، یہ ہندو ممبران کی اپنی مرضی اور پسند کا نتیجہ تھا۔ مگر ہمیں جب یہ بنی بنائی چیز ملی (جس پر (Made by Hindus لکھا ہوا نہیں تھا، اور لکھا جا بھی نہیں سکتا تھا، تو ہم نے سچ مچ سمجھ لیا کہ ہم واقعی یہاں کسی سے کم نہیں ہیں۔ اور اس کے نتیجہ میں کوئی وہ عملی پالیسی اپنے لئے وضع نہیں کر سکے جو ہمیں واقعی سچ مچ برابری کی سطح کی طرف لیجا سکے۔ چنانچہ جو دن گزرتا گیا وہ برابری کی سطح سے زیادہ ہی نیچے لیتا گیا ہے۔ اور آج ہم ایسے کھلے میدان میں خود کو کھڑا پا رہے ہیں کہ جہاں سر پہ گویا آسماں بھی نہیں۔ امریکی خرمستیوں کے مقابلہ میں مسلم اقوام کی بے بسی پر آجکل اس بات کا کافی تذکرہ ہمارے یہاں ہے کہ ہمارے اسلحہ خانہ میں تو ہتھیار بھی اُنہیں کے دئے ہوئے ہیں مقابلہ ہو تو کیسے ہو۔ قانونی اور دستوری اسلحہ کا معاملہ بھی اس سے کوئی مختلف چیز نہیں ہے۔ وہ اگر کسی ملک کے اندر آپ کا اپنا تیار کردہ نہیں ہے یا اس کی تیاری میں برابر کا حصہ آپ کا نہیں رہا تو اس کے اوپر بھروسہ بھی ایک دن یقیناً اسی طرح پچھتاوے کا باعث ہو کے رہے گا جیسے آج اسلحہ جنگ کا معاملہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیں رُلا رہا ہے۔ برطانیہ میں جس قسم کے قوانین کا بظاہر تصور نہیں تھا، اور جواب تک کی قانونی روش کی روشنی میں لاقانونیت کے ہم معنیٰ معلوم ہوتے ہیں، وہ ادھر اس تیزی سے وجود میں آنا شروع ہوئے ہیں کہ اب نہیں کہا جاسکتا کہ سلسلہ کہاں رکے گا؟ اور قانون کی بات چھوڑئے، عقلِ عام کیوں کر معاملہ کے اس پہلو سے بے اعتنائی روا رکھ سکتی ہے کہ مغرب اگر اپنی سرزمین پر اسی خلافتِ اسلامیہ کے لئے جدوجہد کو نہایت ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر رہا ہے جس کا مطلب اسلامی دنیا کا ایک سیاسی پیکر میں ڈھل جانا ہے، تو یہ کیسے خالی از علّت ہوسکتا ہے؟ بے شک ایسا ہو چکا ہے کہ فرعون کے محل میں موسیٰ کو پرورش ملی۔ مگر موسیٰ اس مدّتِ پرورش میں ایک معصوم موسیٰ تھے۔ وہ موسیٰ نہیں تھے جس نے فرعون کے سامنے نعرۂ حق بلند کیا۔ ایک دوسرا پہلو کہ وہ بھی عقلِ عام کو ایک تجسس (Curiocity) پر اکساتا ہے، یہ ہے کہ القاعدہ کے ہوّے کے بعد سے ان جماعتوں کے بعض عام ارکان کسی نہ کسی درجہ کی گرفت میں آئے۔ لیکن ان کے معاملہ میں لیڈروں پر الزام کی واضح گنجائش کے باوجود صرف ایک ابوحمزہ پر تھوڑی سی آنچ آئی ہے۔ اور وہ بھی اس منزل پر پہنچ کر کہ کیوبا کے Guantanamo Bay کیمپ میں جو چند برطانوی نوجوان طالبان کے ساتھ قید ہیں ان کا سرا جناب ابوحمزہ سے ملنے کی پے بہ پے شہادتیں آتی گئیں۔ اور پھر بھی ان کے خلاف ایکشن کا جو انداز ہے اس کی نیم دلی کو، کم از کم برطانیہ رہنے والوں کے لئے کسی بیان کی حاجت نہیں۔ جو مسجد امسال (۲۰۰۳ء) جنوری میں ان کی وجہ سے بند کی گئی، وہ اگلے ہی ہفتہ سے اس مسجد کے سامنے سڑک پر جمعہ کی نماز پڑھا رہے ہیں۔ ان کے اس شغل میں سڑک کے راہِ عام ہونے کے حوالہ سے بھی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جاتی۔ جبکہ پولیس کی نفری بھی اس موقع پر وہاں متعین کی جاتی ہے! اور مسجد جو سال بھر ہونے کو آیا اب تک نہیں کھل رہی اس کی اصل وجہ جناب ابوحمزہ کی یہ چھوٹ ہے۔

تو ہم اپنی ان معصومانہ اداؤں کو کیا کہیں؟ اور کیا حق ہمیں زمانہ یا جورِ فلک سے شکوہ کا ہے؟ پاکستان و بنگلہ دیش یا سعودی عرب ومصر وغیرہ ہیں نہیں ہم اُن برطانیہ و امریکہ اولوں کے بیچ میں رہ کر بھی وہی کے وہی رہنے کی گویا قسم کھائے ہوئے ہیں، جن کی باریک چالوں کی داد ہمارا ہی ایک دیدہ ور ان الفاظ میں دے گیا ہے۔

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی — یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا

جہاد اور اسلامی خلافت وحکومت کے الفاظ ہماری سادگی اور ہمارے نامبارک احساسِ محرومی ومظلومی کی وجہ سے ہماری وہ کمزوری بن گئے ہیں کہ ان کی صدا لگا کر جو بھی چاہے ہمیں لوٹ لیا جاسکتا ہے۔ ہم یورپ اور امریکہ میں دن بدن اپنی بڑھتی ہوئی تعداد اور جمتی ہوئی جڑوں پر خوش تو ہوا کئے مگر چوکنّے پن سے بے نیاز ہونے کی بنا پر اس خطرہ کا کبھی بھی شاید نہیں سوچ سکے کہ ہمہ وقت چوکنا صیہونیت کو اس میں اپنے ''پروٹوکولی'' عزائم واہداف کے لئے خطرہ نظر آئے گا۔ اور اس لئے یہ شاطر (Cunning ones) ہر وہ کام کر سکتے ہیں جس سے یہاں کی فضا ہمارے حق میں ناسازگار ہو جائے۔ یہ ہماری کمزوریوں سے نہایت باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے ماہرین کی ریسرچ بڑی سرگرمی سے ہمارے سلسلہ میں بھی جاری رہتی ہے۔ اور بلاشبہ یہ جتنا ہمیں جان گئے ہیں ہم خود بھی اپنے کو اتنا نہیں جانتے۔ اور جہاں تک اُن کو جاننے کا سوال ہے، تو سوائے ہوائی اور خود ساختہ باتوں کے ہمارے پلے میں کچھ بھی اور نہیں ہے۔ کم از کم برطانیہ میں جو تحریک خلافت ہے اس کے بارے میں اگر ہمارا کوئی محنتی طالب علم ریسرچ پر لگ جائے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہ رہ پائے گا کہ ''یہ سب پودا انھیں کی لگائی ہوئی ہے۔''

ہمارے بارے میں یہودی عیسائی ریسرچ کی کیا کیفیت ہے بہتر ہے کہ اس کی بھی دو مثالیں یہاں درج کردی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائیں۔گذشتہ دنوں دو کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ایک دیوبند پر امریکی مصنّفہ Barbara Metcalf کی کتاب Islamic Revivel in British India: Deoband 1860-1900 جو اس نے1972ء میں ہندوستان کا سفر کر کے لکھی۔دوسری ابھی دو سال پہلے کی ایک فرنچ مصنف Gilles Kepel کی کتاب جہاد (Jihad)، جو فرنچ سے انگریزی میں ترجمہ ہوئی۔دیوبند سے اپنا پشتینی رشتہ،خود پورے چار سال اس درگاہ میں گزارے،مگر اس کتاب کو پڑھ کر جگر مرادابادی مرحوم کا مصرعہ ذہن میں گھوم گیا''غزل میں یہ وسعتیں کہاں تھیں شعورِ فکر و نظر سے پہلے!'' دیوبند اسکول کا یہ اس قدر ہمہ گیر مطالعہ ہے کہ بیشتر جگہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس خاتون کو ہر ہر پہلو کی اتنی جزئیات سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے،جبکہ واقعہ یہ ہے کہ میں،ایک دیوبندی طالب علم بھی،کیسا ہی مفصل تعارف کرانا چاہوں تب بھی ان میں کئی بہت سی تفصیلات سے تعرض کو ایک طولِ لا طائل سمجھوں گا۔علیٰ ہٰذا جہاد پر فرنچ مصنف کی کتاب،جس میں عالمِ اسلام کے تازہ جہادی رُخ (Trend) کا مطالعہ کیا گیا ہے۔اس کو بھی پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ خود اپنی دنیا کے بارے میں ہم جیسوں کا علم بھی جو بزعمِ خود خاصی واقفیت رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کس قدر نا کافی ہے۔بڑے کتابی سائز پر 400 صفحے کی یہ کتاب مشرق سے مغرب تک کی اسلامی دنیا کا جہادی مطالعہ ہر ہر بیان کے لئے حوالہ کے ساتھ پیش کرتی ہے۔اور حوالے بظاہر ایسے کہ کسی''استادی'' کا شک گزرنا مشکل۔

فرنچ مصنف کی اس کتاب کے ذکر پر یاد آیا کہ اسی میں ایک ایسا بیان بھی ملتا ہے جس سے اس مضمون کے شروع میں بظاہر کئے گئے اپنے ایک خیال کی تائید میں قرآنی الفاظ''وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ اَهْلِهَا'' کا مصداق کہا جاسکتا ہے۔مصر کے شیخ عبدالرحمٰن عمر (حفظہ اللہ تعالیٰ) موجودہ جہادی ٹرینڈ کے معماروں میں ہیں اور جہادِ افغانستان کے سرپرستوں میں۔جہادِ افغانستان کی بدولت امریکی سی آئی سے ان کا رشتہ جڑ چکا تھا۔جبکہ اپنے ملک میں وہ حکومت کے لئے نا قابلِ برداشت۔مختصراً 1990ء میں وہ (سوڈان کے بعد) پناہ کی طلب میں امریکہ پہنچ گئے۔اور اس کے بعد کی کہانی معلوم و مشہور ہے کہ 1993ء میں نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر بم واردات میں ان کو ملوث ٹھہرا کر ان کا ٹھکانہ جیل کو بنا دیا گیا۔شیخ کو ملوث کرنے کی کہانی بیان کرتے ہوئے جیلس کیپل نے کہا ہے کہ ٹریڈ سینٹر کی واردات کا کام شیخ کے ارد گرد کے سادہ اور جذباتی لوگوں سے لیا گیا۔وہ لکھتے ہیں:

The Trials that followed the 1993 bombing of the WTC stablished Identity of those directly involved beyond any doubt. They were all close to Sheikh Abdur Rahman and all had been swayed by his fiery sermons agaist America in particular and the West in general. On the Other hand, the contention made by the American Justice Department that a wide ''conspiracy'' had been masterminded by the shaikh himself was still to doubt several yerars after the fact. Qulte apart from the practical impossibilly of a blind man picking out targets he had never seen and could imagine only with great difficulty, it is hard to bieive that his accomplices who were any thing but bright and had only

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

the haziest idea of the nature of Amdrican society,could have imagine of an attack of such spectaculer proportions without help. At the trial the defence stressed the role of an Egeptian informer infiltrated into the groupe by the FBI,whose recorded conversation with the accused showed that he openly incited them to carry out the attack...."(Jihad page302). مختصراً مسٹر کسل کا کہنا ہے کہ ''جہاں تک ان افراد کے تعیُّن کا سوال ہے جنہوں نے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی واردات میں براہِ راست حصہ لیا تو اس کے مقدمہ میں کیا گیا یہ تعین یقیناً کسی شک کی گنجائش نہیں رکھتا۔ یہ تمام کے تمام شیخ سے قربت والے اور ان کی آتش ناک اینٹی امریکہ و مغرب تقریروں سے متاثر لوگ تھے ۔لیکن امریکن جسٹس ڈپارٹمینٹ کا یہ دعویٰ کہ اس واردات کی سازش کا دماغ خود شیخ تھے یہ آج بھی قابل گفتگو ہے۔ بلکہ یہی نہیں کہ ایک نابینا شخص جس نے نہ یہ سینٹر کبھی دیکھا نہ اس کے لئے آسان کہ ذہن میں اس کی شبیہ قائم کرے، کیونکر اسکو ٹارگیٹ بنانے کے لئے چن سکتا تھا، اس کے وہ ساتھی بھی جو اس میں ملوّث ہوئے نہ ہی ذہنی طور پر، نہ امریکہ سے واقفیت کے اعتبار سے اس قابل تھے کہ ان کے ہاتھوں سے ایسی کامیاب ترین پیمانہ کی واردات بغیر بیرونی امداد کے عمل میں آنا سمجھ میں آسکے۔ چنانچہ مقدمہ کے دوران میں صفائی کے وکلا کی طرف اس ایک مصری مخبر کے کردار کو بھرپور نمایاں کیا تھا جسے امریکن ایجنسی FBI نے شیخ کے لوگوں میں گھسا دیا تھا۔ اور ملزمان کے ساتھ اسکی ریکارڈ ڈ گفتگو ثابت کر رہی تھی کہ اس نے ان لوگوں کو اس واردات کے لئے اچھی طرح اُکسایا تھا.....''(ص301)

پس یہ جو اوپر پورے یقین کے ساتھ کہا گیا تھا کہ ۱۱ستمبر کی واردات جو بظاہر ہمارے ہی ہاتھوں سے ہوئی، یہ اصل میں اوروں ہی کی ''بائی پراکسی واردات تھی۔ ہم محض استعمال ہوئے اور اس لئے ہوئے کہ سعودی عرب کو بھی نشانہ میں لینا تھا، تو مسٹر کیپل کا مذکورہ بیان اسی طریقہ واردات کی ایک دوسری مثال بھی ہمارے سامنے لے آیا ہے۔ کہ شیخ عمر کو جیل میں ڈالنا تھا، ان کے آدمی قابلِ مؤاخذہ کام کے لئے استعمال کر لئے گئے ۔اور اس سے پہلے کی کی جو کارروائی شیخ کے ساتھ اس منزل کی طرف لے جانے کے لئے ہوئی۔ وہ بھی مختصراً سن لینے کی ہے۔ کیپل نے لکھا ہے کہ ایک طرف تو شیخ پر مہربانی کا یہ عالم تھا کہ امریکہ پہنچ کر جنوری 91ء میں انہوں نے درخواست دی اور اپریل ہی میں انہیں گرین کارڈ عطا ہو گیا۔ یہ اس وقت تک کی بات تھی کہ کابل ابھی روسیوں ہی کے قبضہ میں تھا۔ مگر اس کے بعد نگاہ بدلی تو شیخ جو حج (یا عمرہ) کے لئے مکہ گئے ہوئے تھے واپس آئے تو پتہ چلا کہ وہ اپنی درخواست میں ایک جھوٹ کے مرتکب ہوئے تھے۔ وہ یہ کہ انھوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ Bigamist (ایک سے زائد بیویوں کے شوہر) ہیں۔ پس اس بنیاد پر وہ گرین کارڈ سے محروم کر دئے گئے، اس پر شیخ نے سیاسی پناہ کی درخواست دی تو جیل شیخ کی پناہ گاہ ٹھہری۔

''ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟''

شیخ سے دلی ہمدردی ہے، مگر اس پر شرمندگی بھی بے حد ہے، کہ جہاد کا شعلہ بار داعی، سرپرست و مربی اور امریکی طاغوت سے پناہ کا طلب گار! اُس کی ذلیل طوطا چشمی کے بعد بھی از سرِ نو طلب گار!!

شیخ کے حال میں ہمارے لئے عبرت ہے کہ:

''عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر خالد شبیر احمد
سیکرٹری جنرل
مجلس احرار اسلام پاکستان

بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیے

پاکستان ان دنوں جن ایام پُر آلام سے گزر رہا ہے۔ اُس کا احساس محبِّ وطن پاکستانیوں کو بڑی شدّت کے ساتھ ہے جن کے دل و دماغ میں ایک کھلبلی سی مچی ہوئی ہے حیرانی اور پریشانی سے وہ مبہوت ہوگئے ہیں انہیں کچھ سوجھتا نہیں کہ وہ کیا کریں اور کس کے پاس اپنی فریاد لے کے جائیں، کون ہے جو اس ملک کو مسائل کی اتھاہ گہرائیوں سے باہر نکالے۔ جس ملک کو ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی ہر متاع عزیز قربان کر کے بنایا تھا۔ آج جن حالات سے دوچار ہے وہ کوئی دو چار برسوں کی غلط حکمت عملیوں کی پیداوار ہرگز نہیں ہے، بلکہ ان غلطیوں کا آغاز قیام پاکستان کے ساتھ ہی ہوگیا تھا۔ جو کچھ ہم نے امریکہ کے لئے کیا اور اس کے جواب میں جو کچھ امریکہ نے ہمارے ساتھ کیا یہ وہ قصہ ٔ غم واندوہ ہے' جس کے دہرانے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے' دل دھڑکتا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں۔ ہم بے دست و پا لوگ اپنے قلم سے جو کچھ تحریر کرتے ہیں وہ ہمارے خلوص اور جذبۂ حب الوطنی کا غماز ہوتا ہے۔ ورنہ ہم نہ تو کسی طالع آزما کے سیاسی رقیب ہیں اور نہ ہمیں اقتدار کی ایسی کوئی خواہش ہے جس کے لئے ہم مضطرب و بے چین ہیں۔ ہمارا معاملہ تو اس شعر کی مصداق ہے ۔

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خونِ دل
بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیے

مارچ 1953ء کی تحریکِ تحفظ ختم نبوت میں لاہور کو پہلی بار مارشل لاء کے ذریعے فوج کے حوالے کیا گیا، تا کہ پُر امن دینی تحریک کو کچل کے امریکہ بہادر کو خوش کیا جائے۔ اُس وقت کے مسلم لیگی وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کے وہ الفاظ جو بے غیرتی کا عنوان بنے آج بھی تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں، انہوں نے تحریک کے قائدین کو اپنی آخری ملاقات میں کہا تھا

''میں آپ حضرات کے مطالبات کو تسلیم کرنے سے قاصر ہوں نہ میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے سکتا ہوں اور نہ ہی میں سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ کے عہدے سے ہٹا سکتا ہوں، کیوں کہ اس سے امریکہ ناراض ہوجائے گا اور وہ پاکستان کو گندم دینا بند کردے گا، اس طرح پاکستانی بھوکے مرجائیں گے۔''

ذرا ان الفاظ پر غور کریں! ہمارے حکمران شروع میں ہی امریکہ سے کس قدر خوف زدہ اور مرعوب تھے۔ وہ امریکہ کو اپنا ''ان داتا'' تصور کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں۔ حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے وزیر اعظم کو اس بات کا ذرا بھی احساس نہ تھا کہ وہ کیا بات کس کے سامنے کہہ رہے ہیں۔ کیا کسی آزاد ملک کا وزیر اعظم یہ کہہ سکتا ہے جو کچھ خواجہ ناظم الدین نے تحریک کے قائدین کو اس وقت کہا۔

© rasailojaraid.com